ہند پر فارسی زبان و ادب کے اثرات

از

(جناب مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند رفیق ندوۃ المصنفین)

زبان اور تہذیب کا باہمی ربط اتنا گہرا اور قریب ہوتا ہے کہ ایک حد تک یہ دونوں ایک دوسرے کے وجود ارتقار، اور نشو ونما میں فطری طور پر معاون ہوتے ہیں، زبان تہذیب کی نمائندگی کرتی ہے اس کی جڑیں بھی تہذیب کی جڑوں کی طرح روحانی ادراک اور باطنی حقیقتوں میں پیوست ہوتی ہیں، اس کا تعلق جہاں ایک طرف زندگی کی بے چین اور مضطرب کشمکش سے ہوتا ہے اسی طرح انسانی جذبات واحساسات روحانی بصیرت اور عرفانی محسوسات سے بھی ہوتا ہے، یہ ہمارے تخلیقی شعور کو اجاگر کرتی ہے اور تہذیب انسانی کی رہنمائی کے لئے فکر و نظر کے چراغ روشن کرتی ہے۔ زبان کا قانون مذہب اور حکومت کے قانون سے سخت ہوتا ہے اور مختلف زبانوں کے اختلاط کے بعد نئی زبانوں کے وجود میں لانے کا کام قدرت آہستہ آہستہ کرتی ہے اور وقت اسے ایسی ضرورت بنا کر لا کھڑا کرتا ہے کہ اس سے دامن بچائے نہیں بچ سکتا۔ کون ہے جو بن بولے رہ سکتا ہے۔ زبان پر تالا نہیں ڈالا جا سکتا۔ چپ سادھ کر بیٹھنے کا برت رکھنا بڑے سے بڑے ستیہ گرہی کے بھی بس کا کام نہیں۔ اور وقت کی بے رحم چنگاریاں ایسے ذہنی شیش محلوں کو چکنا چور کر دیتی ہیں۔

تہذیب کوئی الہامی عطیہ نہیں، کوئی دیوتائی چیز نہیں یا جنت کی حور نہیں بلکہ وہ زمین پر بسنے والے انسانوں کی روح اور ضمیر کی عرفانی روشنی کا مادی ظہور ہوتی ہے اس کی تخلیق میں فطرت کا مضبوط ہاتھ چپکے چپکے تعاون کرتا ہے اور اس کے ارتقا میں مصور، رقاص، شاعر، ادیب، اداکار، کسان، امیر و غریب سب ہی حصہ لیتے ہیں اس کی جلوہ گری محبوب کی نشیلی آنکھوں، معصوموں کی شوخ مسکراہٹوں، جوان کامیاب ارادوں اور ناکام حوصلوں

---

[1] یہ مقالہ انڈین کونسل کلچرل ریلیشنز کے ایک خاص اجتماع میں پڑھا گیا تھا۔

فضا میں اُڑتے ہوئے پرچموں۔ کھیتوں میں لہلہاتی ہوئی بالیوں، گردش کرتی مشینوں، زمین کا سینہ چیرتے ہوئے ہلوں، شبستانوں میں مچلتے ہوئے نغموں، مجلسوں میں اٹکھیلیاں کرتے ہوئے قہقہوں، اور شفق کے بکھرے ہوئے گہنوں سے لے کر پگھلے ہوئے لوہے کی سلاخوں تک میں پائی جاتی ہے۔

میرا مقصد اس تمہید سے یہ ہے کہ زبان کا تہذیبی ارتقا میں زبردست ہاتھ ہوتا ہے، وہ کبھی جذبات کا اظہار بن کر شاعر کے گیتوں میں ڈھلتی ہے جو عوامی شعور اور تہذیبی خدوخال کو نکھارتے ہیں۔ وہ کبھی نصاب بن کر قوموں کے ذہن کی تخلیق کرتی ہے تو کبھی مختلف قوموں کے مابین تہذیبی رشتہ کی کڑیوں کو اتنا مضبوط بنا دیتی ہے کہ عظیم تاریخی جھٹکے اور انقلابی زلزلے بھی ان تہذیبی زنجیروں کو توڑ نہیں پاتے۔ یہ میں کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ دنیا کی کلچرل تاریخ میرے اس بیان کی شہادت دے رہی ہے کہ زبان نے قوموں کو متحد کرنے میں کتنی مؤثر اور جاوداں کوششیں کی ہیں اور زبان کے ذریعہ جو اتحاد عمل میں آیا ہے اس کے نقوش اتنے روشن ہیں کہ موجودہ سیاسی معاہدات تک ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے اس لئے فارسی زبان بھی اس فطری انقلاب سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

اس بحث کے دو رخ ہیں ایک یہ کہ فارسی نے ہند پر کیا اثرات ڈالے اور دوسرے یہ کہ ہند میں پہنچ کر فارسی پر کیا اثرات پڑے، دونوں کی ایک طویل تاریخ ہے چاہیں تو آپ دونوں کو خلط ملط بھی کر سکتے ہیں کیوں کہ ہزاروں سال کے تعلق کا یہ تاریخی ربط ہے، جس میں تسلسل بھی ہے اور ارتقا بھی، اس میں لسانی صداقتیں بھی ہیں اور زمانہ کے تقاضے بھی، ان میں خونی رشتہ بھی ہے اور حکمرانی و محکومی کی داستان بھی۔ اور اس تعلق اور ربط کی بنیادیں اتنی گہری ہیں کہ آج بھی ہند کی قومی تہذیب کے نمایاں عناصر ایرانی تہذیب کا عکس جمیل کہے جا سکتے ہیں۔ ہڑپا اور موہنجوداڑو جیسے قدیم شہروں کے مدھم نقوش آج بھی علمی تحقیق کے لئے ایک وسیع میدان رکھتے ہیں، ویران علاقوں کی خاموشیاں اور شکستہ پتھروں کے مدفن ہند و ایران کے ثقافتی اور کلچرل اتحاد کی مربوط کڑیوں

کے گواہ ہیں، فتح پور سیکری کے منقش در و دیوار آج بھی آرٹ کے میدان میں ان کے باہمی تمدنی مشترکہ روایات کی کہانی دہرا رہے ہیں، سعدی کی حکایتیں آج بھی ہماری اخلاقی رہنمائی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، ہمارا لگکدۂ سخن آج بھی خیابانِ حافظ کے خوشرنگ پھولوں سے مشکبار ہے۔ ہماری بزمِ تصوف میں آج بھی جامی و عطار اور نظامی و مولوی کے نغموں کی گونج ہے، فارسی ادب کے کردار آج بھی ہمارے ادبی میدان میں ہندوستانی آداب و اطوار کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں، شیریں فرہاد کی دل کی دھڑکنیں آج تک ہندوستانی وارداتِ حُسن پر چھائی ہوئی ہیں اور قصرِ شیریں کے بے زبان محراب و طاق ہمارے یہاں بولتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کوہ کنی اگر ایران میں رسوم کی قیود میں جکڑ دی گئی ہو تو ہو ہمارے یہاں یہ عزم و عمل اور جد و جہد کی راہوں کو دار و رسن سے ملا دیتی ہے جو ہماری قومی زندگی میں ایک تحریک کا مرتبہ رکھتی ہے اور رستم و سہراب ہمارے ادب اور زندگی میں اسی شاہنامائی وقار اور عظمت کے ساتھ رچے ہوئے ہیں۔ اس لئے میں بجا طور پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایران و ہند ادبی طور پر دو ملک نظر نہیں آتے۔ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ ہند کی فضاؤں میں ایران نظر آتا ہے اور ایران کی فضاؤں میں ہند .....

ہند و ایران پڑوسی ملک ہیں اور جغرافیائی محلِ وقوع کے اعتبار سے ان میں آمد و رفت کی آسانی رہی ہے اس لئے ان کا تعلق انسانی یادداشت سے قبل سے ہے۔

یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ عربوں کے علاوہ جتنی بھی قومیں اور حملہ آور آئے وہ یا تو ایران میں ہو کر آئے یا ایران کے قریبی سرحدوں سے ہو کر آئے اس کا واضح نتیجہ یہ ہے کہ وہ یا تو فارسی بولتے ہوئے آئے یا ایسی زبان جس پر فارسی زبان اور محاوروں کی گہری چھاپ تھی۔ وسط ایشیا میں بھی خود ایرانی تمدن کا وسیع حلقہ تھا۔ آریوں کے اس قافلہ کی تاریخی اور لسانی شہادت موجود ہے کہ ان کے چند قافلے ایران ہو کر آئے، اتھروید کے متعلق تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے الفاظ کا تعلق ہند کی بہ نسبت ایران سے زیادہ ہے۔ "اسُورا"، "سوما" اور "دیو" اس کی زندہ مثال ہیں۔

قریبی ربط کی ایک مثال پروفیسر براؤن کے قول سے ملتی ہے کہ ایک بار ایرانی اور ہندی مشترک

قوم کی حیثیت سے پنجاب کے علاقوں میں آباد ہو گئے تھے اور ایک شہادت ہے کہ پنجاب کے جاٹ جن کو عرب مورخوں نے "زط" کہا ہے وہ ایرانی فوج میں شامل ہو کر عربوں سے لڑے بعض ایرانی مورخوں نے تو ساسانیوں کے عہد تک مغربی پنجاب، سندھ، اور بلوچستان کے علاقوں پر اپنا حق سمجھا ہے

ایک اور مورخ ہند و ایران کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے۔ موریں حکومت کے زمانہ میں ایران کا ہندوستان پر گہرا اثر پڑا چنانچہ رسوم و رواج اور دیگر اوضاع زندگی میں زبردست مماثلت نظر آتی ہے

ابن حوقل اور اصطخری کا بیان ہے

"گیارھویں صدی عیسوی میں اصفاریوں نے جب سندھ کو فتح کیا تو سب سے پہلے ان کو ایک فارسی بولنے والی قوم سے واسطہ پڑا یہ مکرانی تھے جو فارسی اور مکرانی بولتے تھے۔ چنانچہ رابعہ بنت کعب قزداری بلوچستان کے علاقہ کی ایک مشہور عورت ہے جو گیارھویں صدی عیسوی میں فارسی میں شعر و سخن کا ذوق رکھتی نظر آتی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سندھ میں فارسی زبان کا ہندو مسلمان دونوں پر کافی اثر تھا اور فارسی زبان کا بلوچستان کے علاقہ میں اچھا خاصا رواج تھا۔

یہ ساسانی عہد کے آخری بادشاہ کا دور تھا اس کے بعد افراسیاب کے حکم سے خراسان کے ہزاروں ایرانی خاندانوں کو جلا وطن کر دیا گیا اور وہ بھاگ کر پنجاب میں ملتان اور لاہور کے ارد گرد آباد ہو گئے اور کچھ خاندان دہلی تک پہنچ گئے "منتخب التواریخ" میں لکھا ہے کہ ان ایرانیوں نے کئی مشہور شہر آباد کئے جو ہندی ایرانی متحدہ تمدن کا گہوارہ تھے۔ شاید بمبئی اور گجرات کے علاقوں میں موجودہ پارسی نسل بھی اسی عہد میں ہند میں آئی ہو۔

یہی بات زبانوں کے متعلق کہی جا سکتی ہے۔ میری رائے میں ان میں تعلق بالکل ان بہنوں کا سا ہے جو مختلف خاندانوں میں بیاہی گئی ہوں سنسکرت اور فارسی کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہے ایک وقت تھا جب یہ دونوں زبانیں یکساں ہیئت رکھتی تھیں اور ان کے

مشترک رجحانات تھے جب ہندآریوں کی سنسکرت کے لہجہ اور آواز سے روشناس ہورہا تھا تو حقیقتاً وہ فارسی زبان کی موسیقی کی صدائے بازگشت تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ قدیم ہندو ایران کے درمیان حیرت انگیز اشتراک اور مماثلت پائی جاتی ہے، ویدا اور اویستا کا مطالعہ کرنے سے بھی یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ سنسکرت اور فارسی کا گہرا تعلق رہا ہے بہت سے الفاظ کے لہجے اور آوازیں یکساں ہیں، اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ان دونوں زبانوں کا تعلق ماہرینِ السنہ کے ارشادات کے مطابق ایک ہی خاندان سے ہے۔

یہی وہ قدیم مماثلت تھی جو آہستہ آہستہ تاریخ کے مختلف دوروں میں ایران سے چل کر ہندوستان کو فارسی زبان سے روشناس کراتی رہی۔ غزنوی عہد سے لے کر اکبر کے عہد کے درمیان تک جو چھ سو سال کا عرصہ ہے اس میں فارسی نے یہاں مضبوط قدم جما لئے تھے چنانچہ اس دور کے ہندی ادب میں فارسی الفاظ اور محاورات کی کافی آمیزش پائی جاتی ہے اور ہندی موسیقی میں ریختہ، خیال، ترنگولہ جیسی اصطلاحات فارسی ہی کی دین ہیں۔

مسعود ابن محمود کے عہد میں تلک ابن جے سین اور بیجے رائے جو ہندی النسل ہیں مسعود کے منصب دار اور سالار تھے اور فارسی زبان پر پوری قدرت رکھتے تھے۔

فرشتہ کا بیان ہے کہ مسلمانوں کی طرح ہندوؤں نے بھی سب سے پہلے فارسی کی جانب اسی کے عہد میں توجہ کی۔

بدایونی لکھتا ہے کہ برہمن نام ایک ہندو تھا جو اسی عہد میں فارسی اور عربی کا درس دیا کرتا تھا اور فارسی زبان میں شعر بھی کہتا تھا اس کا ایک مشہور شعر یہ ہے ؎

دل خوں نہ شدے چشم تو خنجر نہ شدے گر   راہ گم نہ شدے زلفِ تو ابتر نہ شدے گر

سکندر لودھی کے عہد میں تعلیم یافتہ ہندوؤں نے فارسی سیکھنی شروع کی اور سوریوں کے عہد میں تو بہت سے ہندو فارسی جانتے تھے مگر حسابات وغیرہ مقامی زبانوں میں رکھے جاتے تھے

کشمیر میں سلطان زین العابدین نے ہندوؤں کو نظمِ مملکت میں برابر کا شریک بنایا۔ اس طرح کشمیری پنڈتوں میں فارسی کا رواج ہوا۔ اور کچھ عرصہ بعد یہ ان کی تقریباً مادری زبان ہی بن گئی پنڈت کاچرو نے مجموعۃ التواریخ میں لکھا ہے کہ زین العابدین نے کشمیر میں ایک ہندو فقیر کی کرامت سے متاثر ہو کر ہندوؤں کے ساتھ تمدنی رشتہ مضبوط کرنے کے لئے یہ ترکیب نکالی کہ ہندوؤں کو فارسی سے روشناس کرایا۔

مہاتمی کشمیرہ منڈل کا بیان ہے کہ سپرو پنڈتوں نے سب سے پہلے فارسی سیکھنے کے لئے قدم بڑھایا۔ چنانچہ (سب پہرو) دو لفظوں کا مرکب ہے جس کے معنی ہیں "سبق پڑھا" یہی وجہ ہے کہ کشمیر میں اکثر ذاتوں کے نام فارسی نظر آتے ہیں جیسے نوطہ دار، راز داں، کارکن اور منشی وغیرہ بٹ قوم میں یودی بٹ کے نام سے فرشتہ ایک شخص کا ذکر کرتا ہے جو شاہ نامہ کا حافظ تھا اور اسے نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھتا تھا۔

کلکتہ ریویو میں بلوخ من لکھتا ہے کہ فارسی زبان سولھویں صدی عیسوی تک ہندوؤں کے اعلیٰ طبقات میں پوری طرح پھیل گئی تھی اور عوامی بول چال اور ادبی زبان پر بھی اس کا گہرا اثر ہو چلا تھا۔

گورو نانک لودھیوں کے آخری زمانہ کے بزرگ ہیں آدی گرنتھ جلد اول جو بابا گرو نانک کی تصنیف ہے اس میں اسی فارسی کی آمیزش ہے اور گرنتھ صاحب میں ہمیں کچھ اشعار فارسی کے بھی ملتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار میں فارسی کی گہری چھاپ نظر آئے گی ؎

صدق کر سجدہ من کر مقصود ۔۔۔ جیدھر دیکھا تیدھر موجود

پیر پیکامبر سالک صادق شہدے اور شہید ۔۔۔ شیخ مشائخ قاضی ملا اور درویش شہید

گرنتھ صاحب کے یہ اشعار ظاہر کرتے ہیں کہ بابا گرو نانک کے زمانہ میں عوام کی زبان میں فارسی الفاظ کی زبردست آمیزش ہو چکی تھی۔ یہی بات ڈاکٹر تاراچند نے اپنی کتاب "ہندوستانی کلچر پر اسلامی اثرات" میں کہی ہے پھر کبیر اور دوسرے ہندی شعرا کا کلام بھی اس کی تائید کرتا ہے ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ سکندر لودھی کے بعد ہندوستان میں فارسی زبان کی تعلیم کا سلسلہ اکبر کے زمانہ تک مسلسل جاری رہا چنانچہ جب اکبر کے عہد میں راجہ ٹوڈرمل نے فارسی کو دفتری زبان قرار دیا تو اس تبدیلی سے ملک میں کوئی اضطراب پیدا نہیں ہوا۔ ٹوڈرمل خود فارسی داں تھا اور اکبر سے پہلے شیر شاہ کا ملازم رہ چکا تھا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سوریوں کے زمانہ میں بھی فارسی کی تعلیم رائج تھی۔

دکن میں یہ بات خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ لودھی خاندان کی فتح کے ساتھ ہی فارسی نے مرہٹی زبان پر اپنے اثرات ڈالنے شروع کر دیئے مرہٹی زبان میں فارسی کے سینکڑوں الفاظ اور محاورے شامل ہو گئے اگر پیشواؤں کے عہد کی زبان دیکھی جائے تو اس میں فقرے کے فقرے اور جملے کے جملے بالکل اسی طرح ملیں گے جیسے ایک انگریزی تعلیم یافتہ ہندی کی گفتگو میں انگریزی الفاظ بولتا نظر آتا ہے۔

مرہٹہ سرداروں کے خطوط، امرا کے مراسلے، عہدیداروں کے احکام فارسی الفاظ سے بھرے ہوئے ہیں یہاں میں مثال کے طور پر ناگاؤں ضلع قلابہ (جنوب بمبئی) کے مندر بھمیشور کے ایک کتبہ کا حوالہ دینا چاہتا ہوں اس کا سنہ پہلی ہی سطر میں درج ہے اور قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ اول سن ہجری دیا ہوا ہے اور اس کے بعد سالباہن کا سن شکے ہے دوسری اہم بات جو اس کتبہ میں ہے یہ ہے کہ اس میں ایک دو فارسی الفاظ بھی استعمال کئے گئے ہیں ایک لفظ توجیہ کا ہے جو دوبار آیا ہے دوسرا لفظ سازکار ہے، تیسری سب سے اہم اور حیرت انگیز بات جس کی جانب میں آپ کی خصوصی توجہ دلاؤں گا یہ ہے کہ یہ کتبہ دولت آباد کے جادھو خاندان کے خود مختار راجہ کے عہد کا ہے جب کہ مسلمانوں کی حکومت کا کوئی خاص سیاسی اثر واقتدار وہاں نہیں پہنچا تھا۔

میں شیواجی کے ایک خط کی جانب بھی اشارہ کروں گا جو ۲۶ر جولائی ۱۶۷۶ء کو تحریر ہوا ہے ایک سردار اشونت رائے کو لکھا گیا ہے اس میں فارسی کے یہ الفاظ موجود ہیں۔ مذکور، حشم، جنس جمع، وضع، کاغذ، باب، موافق، مجرا وغیرہ صـ ۳۸ (فارسی کا مرہٹی زبان پر اثر) نیز اس خط کا اسلوب فارسی انداز کا ہے اور ادبی طور پر یہ نگارش مرہٹی زبان میں فارسی طرزِ تحریر کا اچھا نمونہ کہی

جا سکتی ہے۔

مرہٹہ حکمرانوں نے جن خطابات سے اپنے سرداروں کو نوازا ان میں چند یہ ہیں راجہ رام شیواجی کے فرزند نے اپنے برہمن وزیر رام چندر کو "حکومت پناہ" ایک دوسرے سردار اداجی چوہان کو "ہمت بہادر" اور "مملکت مدار" سنتاجی گھورپڑے کو "ضبط الملک" شیواجی تحیہ سالا موہیتے کو سر لشکر اور اپنے وزیر کو پیشوا کا خطاب دیا۔

ذرا اور جنوب کی طرف چلئے۔ ابن بطوطہ دکن کے حالات میں محمد تغلق کے زمانہ کا ایک واقعہ نقل کرتا ہے۔ ایک ہندو عورت جو ستی ہونا چاہتی تھی اور کچھ لوگ اس کو روک رہے تھے تو اس نے جھنجھلا کر کہا مارا می ترسانی از آتش۔ ما می دانیم او آتش است، رہا کن مارا۔

مشرقی ہند میں فارسی زبان نے اپنے اثرات ڈالنے شروع کر دیئے تھے بنگال میں خلجیوں کی دفتری زبان فارسی تھی۔ بختیار خلجی جس کا دارالحکومت لکھنوتی تھا وہاں فارسی قدریں ارتقار پذیر ہو رہی تھیں۔

مغلیہ دور تک جو تصانیف ہند میں ہوئیں ان کا ادبی معیار اور علمی مرتبہ کسی طور پر بھی ایرانی تصانیف سے کم نہیں تھا۔ اس دور میں صرف ایرانی انداز نگارش کی ہی تقلید نہیں کی گئی بلکہ اس میں بلندی اور دل کشی پیدا کی گئی۔ اس دور میں برنی، البیرونی، مسعودی، سعدی، سلمان، خسرو، خواجہ معین الدین چشتی، بابا فرید الدین شکر گنج، خواجہ نظام الدین۔ کی تصانیف ہوئیں جو اخلاقی اور ادبی طور پر بہت اہم ہیں۔

مختصر یہ کہ مغلیہ دور تک فارسی کا اثر و رسوخ۔ شمالی ہند، کشمیر، مالوہ، گجرات، مہاراشٹر گولکنڈہ، بیجاپور، برار، حیدرآباد، گلبرگہ اور بنگال تک پھیلا ہوا تھا اور مغلیہ دور میں ہند ایران تعلقات قدیم سلسلہ کی ارتقائی کڑی کی ہی حیثیت رکھتے ہیں۔

مغل نسلی طور پر ترک تھے لیکن وہ ایرانی تہذیب میں رنگے ہوئے ہندوستان آئے اور اس طرح ہند و ایران کے تہذیبی روابط کا ایک عظیم الشان عہد شروع ہوا۔ بابر جس نے اپنی تزک ترکی

میں لکھی فارسی زبان پر بھی عبور رکھتا تھا اور شعر و سخن کی مشق کرتا تھا اس نے ازبکوں کے مقابلہ پر شاہ اسمٰعیل کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ایرانی ساخت کا تاج پہنا اور بارہ اماموں کے نام اس پر کندہ کرائے۔ ہمایوں نے بھی ہند سے بھاگ کر شاہ طہماسپ کے دربار میں پناہ لی۔ اور ان کی امداد سے قندھار فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا اور آخر صفوی دربار سے باقاعدہ سفارتی تعلق قایم ہو گیا اور مغل دربار اور ایرانی دربار براہِ راست ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔

مغلیہ عہد میں اکبر کا دربار فارسی تہذیب کا گہوارہ بن گیا۔ اکبر کے ہاتھوں ایرانی ہندی قومی تہذیب کی مشترک بنیاد پڑی اور یہ عمل مغلوں کے پورے دور میں جاری رہا مسلمان صوفیوں اور ہندو بھگتوں نے مختلف فرقوں کے جمالیاتی شعور میں محبت کے جذبات کو ابھارا۔ ایرانی اور ہندو تہذیب کے امتزاج کے عمل کو جو تاریخی قوتوں کے ماتحت غیر محسوس طور پر ایک مدت سے جاری تھا اکبر کی شعوری کوششوں نے اسے اور تیز کر دیا۔ چنانچہ بہت جلد مغل دربار سے ایک مشترک تہذیب کا دائرہ پھیلنا شروع ہوا۔

راجہ ٹوڈرمل نے سارے ممالکِ محروسہ کے دفاتر میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے فارسی کو دفتری زبان قرار دیا جس کے نتیجہ میں فارسی زبان ملک کی اپنی زبان بن گئی اور تمام مکاتب و مدارس میں باقاعدہ نصابِ تعلیم مرتب ہو کر عوام و خواص سب ہی پر فارسی ادب نے اپنا اثر قائم کر لیا۔ اس کے علاوہ امرا اور راجپوت رئیس جو سیر و شکار، میدانِ جنگ اور نجی صحبتوں میں بادشاہ کے ساتھ رہتے تھے فارسی کے ماہر و کامل نظر آتے ہیں۔

اکبر نے ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار سرکاری مدارس بڑی تعداد میں قائم کئے اور ان میں فارسی کو ذریعۂ تعلیم قرار دیا یہ ملک گیر سرکاری مدارس ہندو مسلمان بچوں کے لئے مشترک تھے۔

بہر حال اس طرح رفتہ رفتہ سارے تعلیم یافتہ طبقہ کی زبان علمی اور ادبی طور پر فارسی بن گئی۔ چنانچہ مدارس میں دینی نصاب کے علاوہ ہندو مسلمانوں کے لئے ایک مشترک نصاب تھا بقول ابوالفضل ان میں فارسی ادب و انشا، خوش خطی، حساب، علم ہندسہ، نجوم، رمل، سیاستِ مدن، منطق،

طب و تاریخ کی تعلیم دی جاتی تھی اور ظاہر ہے کہ ان علوم و فنون کا ذریعۂ تعلیم فارسی ہی تھا۔

مغل بادشاہوں کی علم دوستی اور ہمت افزائی سے تصنیف و تالیف اور ترجموں کا کام بڑے زور شور سے ہونے لگا جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک تھے۔ رامائن اور اتھروید کے فارسی تراجم میں ایک فاضل ہندو پنڈت ملا عبدالقادر کے ساتھ تھا۔ مہابھارت کا ترجمہ بھی بدایونی نے کیا، بھگوت پران اور دوسری سنسکرت کتابوں کے ترجمے راجہ ٹوڈرمل سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ فیضی نے لیلاوتی کو فارسی کا جامہ پہنایا۔ مگر حساب اور دیگر فنون کا ترجمہ سنسکرت سے فارسی میں ہندوؤں نے ہی کیا۔ دارا شکوہ نے جو ہندو فلسفے اور تصوف کا دلدادہ تھا اپنشدوں بھگوت گیتا اور یوگ وشسٹ کا ترجمہ کرایا اور خود مجمع البحرین کے نام سے ہندو اور اسلامی تصوف کے تقابلی مطالعہ پر کتاب لکھی۔

مسلمان مورخین کے ساتھ ساتھ سبندرا بن داس کی لُبّ التواریخ، چندر بھان برہمن کی چہار چمن، بھیم سین کی تاریخ دل کشا، اور ایشر داس کی تاریخ عالمگیری بھی اس دور کی اہم تصانیف ہیں

فارسی ادب اور شاعری میں بھی ہندوستان بالخصوص ہندوؤں کا حصہ کچھ کم نہیں ہے مرزا منوہر، ساکم کشمیری، بنوالی داس کا شمار معیاری سخن گویوں میں ہوتا تھا۔ ہندو شاعروں نے فارسی زبان اور ایرانی شاعری کی روح کو اس حد تک اپنا لیا تھا کہ غیریت اور اجنبیت محسوس تک نہیں ہوتی۔ فارسی انشا کے میدان میں منشی ہرکرن، چندر بھان برہمن، منشی مادھو رام اور منشی لال چند کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

اس دور میں ایران سے نظیری، عرفی، ظہوری اور کوثری مشہور قصیدہ گو شاعر ہند آئے، فیضی، ابوالفضل اور بدایونی کے اسلوب ادبی اور فنی طور پر ایرانی ہیں۔

فن تعمیر میں بھی میر سید علی طبریزی، خواجہ عبدالصمد اور رضا عباسی جو صفوی دربار میں اپنی شہرت کا سکہ جما چکے تھے اپنے ساتھ ایرانی فن کی روایات لے کر ہند آئے۔

مختصر یہ کہ اس دور میں تصوف، تاریخ، ادب، فنونِ لطیفہ اور مختلف فنون و علوم میں ہندو مسلمان فارسی مصنفین اور مترجمین اتنی کثرت سے نظر آتے ہیں جتنا کہ کسی ملک میں اپنی ملکی اور وطنی زبان کے مترجمین اور مصنفین ہو سکتے ہیں۔

فارسی زبان کے دیرپا اثرات لکھنؤ تمدن پر پڑے اور وہاں دہلی کے مغل بادشاہ کے دربار کے امرا ہجرت کر گئے، دلی جو عالم میں منتخب شہر کی حیثیت رکھتا تھا کئی بار قتل و غارتگری کا شکار بنا اور یہاں کی مجلسی صحبتوں کو درہم برہم کر دیا۔ مغلیہ دور کے انحطاط کے ایام میں لکھنؤ تہذیب وفن کا مرکز بن گیا۔ اہلِ فن ہنرمند، اور عالم لکھنؤ اور فیض آباد کے درباروں میں چلے گئے اور جو فنکار، امراء اور ہنرمند لکھنؤ پہنچے وہ دہلی کی تہذیب کے نمائندہ تھے اور یہ تہذیب ایرانی زیادہ اور ہندی کم تھی اس لئے لکھنؤ پہنچ کر ان کی بدولت لکھنؤ ایرانی تہذیب کا ہند میں عظیم الشان مرکز بن گیا۔ لکھنؤ پر ایرانی تہذیب کی اتنی گہری چھاپ ہے کہ وہاں کی عام زندگی کو اگر افسانوی رنگ میں پیش کیا جائے تو وہ کسی ایرانی شہر کی زندگی کی چلتی پھرتی تصویر نظر آئے گی۔

ادھر رام پور میں بھی ایرانی تہذیب فارسی زبان کے ساتھ اُبھری اور اُس نے دربار کے سہارے کی بنیاد پر امراء کے ساتھ ساتھ عوام کو بھی اثرانداز کرنا شروع کر دیا۔ رام پور کی شہری زندگی میں آج بھی ان اثرات کو دیکھا جا سکتا ہے۔

مغلیہ دور کے انحطاط میں فارسی کی مقبولیت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔ غیر مسلم حکومتوں نے بھی اس کی عظمت کو مجروح کرنے کی کوشش نہیں کی، پنجاب میں سکھوں کی جو نئی ریاست اُبھری اُس نے قدیم روایات کو برقرار رکھا۔ گورونانک کا میں حوالہ دے چکا ہوں۔ گورو گوبند سنگھ کی فارسی تصنیف ظفر نامہ فارسی ادب کی معیاری تخلیق کہی جا سکتی ہے، مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں حکیم عزیز الدین، فقیر نور الدین، دیوان امرناتھ اکبری، دیوان گنگارام وغیرہ فارسی کے اکابر علماء موجود تھے۔ اس دور میں بھی دفتری کاروبار فارسی میں ہوتا تھا، روزنامچے و روداد

کی مسلیں بھی فارسی میں مرتب ہوتی تھیں۔ جیبا سنگھ کلال نے اپنے سکوں پر یہ عبارت کندہ کرائی تھی ؎

سکہ زد در جہاں بفضل اکال ملک احمد گرفت جیبا کلال

اس زمانہ کے بعض اچھے غیر مسلم مصنف یہ ہیں۔ منشی سوہن لال جنہوں نے عمدۃ التواریخ پنڈت کاہر نے مجمع التواریخ لکھی۔ ان کے علاوہ دیوان امرناتھ، منشی دیارام در، کرنل جہان سنگھ، دیوان کرپارام، اور دیوان اننت رام مشہور مصنفین ہیں۔

انگریزوں کے آنے کے بعد بھی ۱۸۲۹ء تک فارسی ہی دفتری زبان رہی۔ ہندی اور فارسی کے اختلاط سے حالانکہ ایک نئی ہندوستانی زبان کا وجود عمل میں آچکا تھا مگر ۱۸۵۷ء تک شمالی ہند میں بھی علمی زبان فارسی رہی۔ بول چال کی زبان تو فارسی نہ تھی اور شاعری میں بھی فارسی کا ہی غلبہ تھا۔ شمالی ہند کا وؔلی دکنی نے جب دورہ کیا ہے تو دلی والے اس کی اردو غزلوں کو سن سن کر حیرت میں تھے کہ اُردو میں بھی شاعری ہو سکتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شمالی ہند کی علمی زبان ابھی تک فارسی ہی تھی۔ اور مغلوں کے بعد بھی کچھ عرصہ تک فارسی رہی۔ انگریز آئے تو انھوں نے بھی فارسی کے ارتقائی اثرات کو فوری طور پر ٹھیس نہ پہنچائی بلکہ اس کی اشاعت کے لئے کئی درسگاہیں قائم کیں۔ مثلاً کلکتہ میں وارن ہیسٹنگز نے ۱۷۸۱ء میں ایک مدرسہ عالیہ کے نام سے کھولا۔ ۱۷۸۴ء میں سر ولیم جونسن نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی بنیاد رکھی جس کی غایت یہ تھی کہ مشرقی علوم میں تحقیق و تدقیق کے شوق کو ترقی دی جائے۔ ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا گیا جس میں دیگر علوم اور زبانوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ اس دور میں فارسی تعلیم کے لئے ایک خاص رقم علیحدہ کر دی گئی تھی جس سے طلباء کو وظائف دیے جاتے تھے۔ ۱۸۲۳ء میں آگرہ کالج کی بنیاد گنگادھر پنڈت آنجہانی کے عطیہ سے پڑی۔ اس کالج میں فارسی عربی اور سنسکرت کی تعلیم دی جاتی تھی۔

دہلی کالج ۱۸۲۵ء میں کھولا گیا اور جس میں فارسی کو بھی ذریعہ تعلیم بنایا گیا تھا۔

اس دور میں جو فارسی کی مشہور تصانیف ہوئیں ان میں سدا سکھ نیاز کی تنبیہ الغافلین، پنڈت متھرا ناتھ مالوی کی ریاض المذہب، لکشمی نرائن سرور کی بھگوت پران، راجہ رام موہن رائے کی تحفۃ الموحدین رامائن منظوم منشی موہر سنگھ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اس دور فارسی کی اشاعت میں منشی نول کشور اور ان کے مطبع نے بڑا حصہ لیا۔ اگر یہ مطبع نہ ہوتا تو عربی فارسی کی ہزاروں کتابیں ضائع ہو جاتیں۔ اس طور پر انھوں نے سینکڑوں کتابوں کو تلف ہونے سے بچا لیا۔ ایران اور ہند کے تعلق سے ہندوستان میں ایک نئے شعور، نئے ذہن اور نئی تہذیب نے جنم لیا۔ مجھ سے اگر کوئی فارسی کے ہند پر اثرات کے بارے میں پوچھے تو میں صرف اتنا ہی کہہ دوں گا۔ فارسی نے ہمیں تصوف میر دیا، غالب دیا، غزل دی، مرثیہ دیا مجلسی اطوار کے نکھرے نتھرے آداب دئیے۔ تاج کے بلند مرمریں میناروں کو جمنا کی بے رحم لہریں غرق کرسکتی ہیں کوئی بھی طوفانی زلزلہ اس کے در و دیوار میں جھول ڈال سکتے ہیں مگر بڑے سے بڑے انقلابات میر غالب کو ہم سے نہیں چھین سکتے، غزل کی عظمت پر ٹھیس نہیں پہنچا سکتے۔ غزل فارسی اور ہندی تخیلات کا حسین اور نازک سنگم ہے وہ صرف صنفِ سخن نہیں بلکہ ہماری تہذیب ہے۔ اور ہمارا امزاج ہے ہمارے ہزار سالہ تجربات کا جاودانی پھیلتا بڑھتا نقش ہے۔

مختصر یہ کہ فارسی زبان اور ہندی زبانوں کے درمیان اگرچہ انگریزی زبان اور مغربی کلچر کی دیوار تقریباً ڈیڑھ صدی تک حائل رہی۔ مگر پھر بھی فارسی کی بنیادی اہمیت کم نہیں ہوئی آج بھی ہمارے مکاتب میں، مدرسوں میں، خانقاہوں میں اور مساجد میں بچوں کی تعلیم آمدنامہ، سکندر نامہ اور گلستاں بوستاں سے شروع کی جاتی ہے۔

فارسی کا تعلق ہم سے اب اتنا بنیادی ہو گیا ہے اور اب یہ ایسی اہم ضرورت بن کر ہمارے سامنے آکر کھڑی ہو گئی ہے کہ بغیر اس کے سیکھے ہندوستان کی قومی تہذیب کا جز بننا ناممکن ہے۔ موجودہ دور کا کوئی بھی فلسفی، محقق، اور مورخ فارسی کے بغیر ہمارے قومی ذہن کی نمائندگی نہیں کرسکتا۔